ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

بانی ادارہ شیخ التفسیر حضرت
مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الادارہ جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر
مولانا مفتی محمود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ
فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ
لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ (القرآن)

ترجمہ: کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس ایسا نہیں گزرتا جس میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یہ لوگ آزمائشوں میں نہ ڈالے جاتے ہوں مگر باوجود اس کے نہ تو یہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرتے ہیں اور نہ ان تنبیہوں سے عبرت پکڑتے ہیں۔

صدق اللہ العظیم

٦٠ پیسے

مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور، پاکستان
فون ٦٧٥٣٥

حمد باری تعالیٰ

بزمی

اے کہ تیرے وجود سے برگ و ثمر ہیں پُربہار
اے کہ تیرے شہود سے شمس و قمر ہیں تابدار
اے کہ تری ہی شان میں نغمہ سرا ہے جوئبار
اے کہ تیری ہی رفعتوں کے ہیں گواہ کوہسار
اے کہ تمام خلق کا تو ہی فقط ہے غمگسار
اے کہ ترے کرم کے ہیں دونوں جہاں اُمیدوار
اے کہ ہر ایک چیز کو تو نے ہی دی ہے زندگی
اے کہ فقط تجھی پہ ہے ارض و سما کا انحصار
اے کہ ترے ہی لطف سے زندہ ہے ساری کائنات
اے کہ ترے ہی حسن سے ہے ہر چیز پر نکھار
اے کہ ترے سوا کوئی قابل بندگی نہیں!
اے کہ ترے گدا ہیں سب تخت نشین و تاجدار
اے کہ ترے غلام کو کوئی بھی خوف و غم نہیں
اے کہ ترے غلام پر شاہوں کے تاج ہیں نثار
اے کہ ترا کمال ہے فکر و نظر سے بھی بلند
اے کہ ترے عروج سے اوجِ فلک بھی شرمسار
تیرے سوا اگر کوئی قابلِ فخر و قدر ہے
تو وہ ترا حبیبؐ ہی رشکِ ہلال و بدر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور پاکستان

۴ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ
۱۷ جنوری ۱۹۷۵ء

جلد ۲۰

شمارہ ۳۴

سالانہ	۲۶/- روپے
ششماہی	۱۴/- روپے
سہ ماہی	۷/- روپے
فی شمارہ	۶۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

اختر کاشمیری

"یکے دزد باطن کہ نامش دبیر"

● ہمارے لمبی زلفوں والے دوست نے گزشتہ دنوں ایک قومی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اپنے مخصوص تبرائی لہجہ میں علماء کرام کو نشانہ تضحیک بناتے ہوئے کہا ہے کہ :-

"یہ علماء سُو قرآن کی آیات کو قلیل داموں کے عوض فروخت کرتے ہیں اور ان کا علاج یہ ہے کہ اتاترک کی طرح ان کو ملیامیٹ کر دیا جائے"

● موصوف اگر علماء سوء کی نشاندہی کر دیتے تو کم از کم یہ ضرور معلوم ہو جاتا کہ یہ اشارہ قریب ہے یا بعید؟ کیونکہ ایک دو پری چہرہ ان کی زلف گرہ گیر کے اسیر بن کر ان کے سیاسی مکتب میں جاروب کشی کرتے نظر آتے ہیں۔

● اگر ان کا اشارہ ملک و ملت کے ان محبوب رہنماؤں کی طرف ہے جو ان کی سیاسی صغرسنی اور فکری کم مائیگی کو زیر بحث لاتے ہیں۔ تو ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آپ کی نگاہیں کمزور ہیں کسی ماہر امراض چشم کی طرف رجوع کریں تب آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ علماء روحانی دولت سے اس قدر مالا مال ہیں کہ ان کے لیے آپ جیسے سیاسی اور نمائشی تیتر، بٹیر اور شترمرغ خریدنا کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ یہ موم کی طرح پگھلنے اور بکنے والی چیز نہیں کہ آپ ان پہ زبان درازی کی مشق فرمائیں تو اسے گوارا کر لیا جائے۔

● اگر ہم نے جوابی کارروائی کی تو آپ زخم چاٹنے سے فارغ نہ سکیں گے۔ اس لیے ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنی اوقات کو نہ بھولیں اور حدود و قیود اور اخلاق و قانون کے دائرے میں رہ کر بات کریں۔

● علماء کو ملیامیٹ کرنا آسان کام نہیں اس کام کے لیے آپ کو لوہے کے چنے چبانے پڑیں گے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ان کو مٹاتے مٹاتے آپ کی سا[illegible] پشتیں ہی مٹ جائیں۔

"شرافت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے"

● جب کوئی شخص کسی اونچے منصب پر فائز ہوتا ہے تو وہ اپنی خاندانی شرافت کو نمایاں کرنے میں کمی نہیں کرتا اور اپنے عہدے کی بلندی کے مطابق اس کا اخلاق بھی بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ سیاست میں آ کر دشنام طرازی کرنا اور کرسئی وزارت پر بیٹھ کر دولتیاں مارنا کوئی اچھی روایت نہیں اور شریف لوگوں کی فطرت سلیمہ اس سے اِبا کرتی ہے۔ حکومت اور اقتدار چڑھتی ڈھلتی چھاؤں اور وزارت ایک بے وفا اور ظالم محبوبہ ہے جو پٹتی دیر سے اور کھسکتی جلدی اور انتقام اس سے بھی جلدی لیتی ہے۔ یہ ایک پہلو دار لاٹھی ہے، جو دوسروں پر چلاتے چلاتے اپنے اوپر بھی چل جاتی ہے اور تماشہ دیکھنے والے خود تماشہ بن جاتے ہیں۔

● لیکن حیرت ہے کہ پنجاب کے اس "وضعدار" جوکر نے ایک بار پھر قائد جمعیت مولانا مفتی محمود کو ایک بے بحر طرح مصرعہ دیا ہے۔ جواب آں غزل ہمیں کہنا آتا ہے لیکن افسوس کہ شرفاء کے لیے پھبتی کا جواب دینا مشکل ہے۔ مفتی محمود کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ کہنا بے ہودگی ہے۔ وزارت صحافت اور دانشوری اس کی نفی کرتی ہے لیکن اگر وزیر چور، صحافی بٹیرا اور دانشور رسہ گیر ہو تو کوئی عیب نہیں۔

● بہتر ہے کہ موصوف اپنے اطوار پر نظر ثانی فرما لیں اور اپنے حدود اربعہ پر غور کریں، وہ کیا ہیں؟ اُن کا سیاسی قد کاٹھ کیا ہے؟ ان کی وزارت کس قدر پائدار اور نوکری کس قدر دیرپا ہے؟

نصاب کمیٹی اور مطالبات کانفرنس

● اہل تشیع کی جانب سے جداگانہ نصاب تعلیم کا مطالبہ حکومت نے تسلیم کر لیا ہے اور اس اقدام کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ نصاب کمیٹی میں کسی قابل ذکر سنی نمائندہ کو شامل نہیں کیا گیا اور جن لوگوں کو شامل کیا ہے وہ اہل سنت کی نہیں بلکہ اپنے پیٹ کی مناسب نمائندگی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مذہبی نہیں درباری لوگ ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک ان کی وہی حیثیت ہے جو اکبر کے نزدیک اس کے نورتنوں کی تھی۔

● اس عاجلانہ اور یک طرفہ فیصلہ کے نتیجہ میں مسلمانان اہل سنت نے بحالت مجبوری مطالبات کانفرنسوں کا آغاز کیا ہے۔ تاکہ حکومت کو اس ذریعہ سے ان کا نقطۂ نظر بھی معلوم ہو جائے۔ اس وقت تک راولپنڈی اور لاہور میں یہ کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور عوام نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے نتائج نہایت دور رس ہوں گے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرے۔

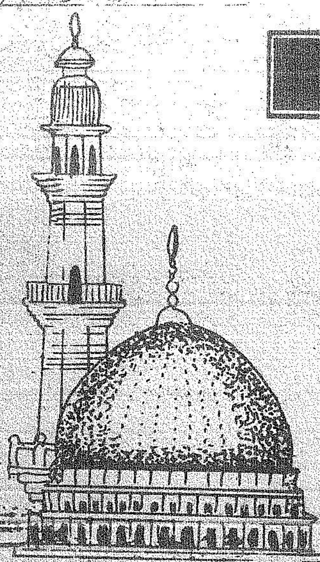
● قائد تنظیم اہل سنت مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری نے لاہور میں ہونے والی مطالبات کانفرنس میں کہا ہے کہ جب تک نصاب کمیٹی کے فیصلے سے شیخ بنوری، مفتی محمود، حضرت درخواستی، جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور، شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالحق، مولانا عبدالقادر روپڑی ایسے اکابرین اہل سنت مطمئن نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ فیصلہ عوام کے لیے ناقابل قبول ہوگا۔

زلزلہ اور ہم

● ہزارہ اور سوات کے علاقوں میں جو قیامت خیز زلزلہ آیا اس کے بعد بھی ہم نے رسول خدا کی اتباع کرتے ہوئے یاد الٰہی، ذکر و اذکار اور توبہ و استغفار میں مشغول ہونے کے بجائے صرف متاثرہ علاقوں کے دورے کرنے پر اکتفا کیا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ گزشتہ رات جب ہم یہ سطور لکھ رہے تھے اس وقت اس قیامت خیز زلزلہ کی گڑگھڑاہٹ نے لاہور کو بھی جھنجھوڑا اور لاہور کے در و دیوار لرز کر رہ گئے۔

● مسلمانوں کی بیداری کے لیے اب صورِ اسرافیل کی ضرورت نہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے قائد مولانا عبیداللہ انور نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ اس موقع پر توبہ و استغفار کی طرف راغب ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تاکہ ہمیں اس عذاب سے نجات مل جائے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ



مجلس ذکر ۹۰

ذکر کی تاثیر

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

آج کل ذکر الٰہی میں اگر لذت نہیں آتی تو اس کا سب سے بڑا سبب اکل و شرب حرام اور مشتبہ مال ہے اکل حلال کے ساتھ صدق مقال بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کا فوراً اثر ہوتا ہے اور طبیعت میں فرحت، راحت اور سرور پیدا ہوتا ہے لیکن اگر دل مسخ ہو جائے تو پھر اثر نہیں ہوتا۔ جس طرح ننگے پاؤں پھریں اور ابتداء میں کانٹا ہی چبھ جائے تو فوراً احساس ہوتا ہے لیکن اگر ننگے پاؤں پھرتے پھرتے پاؤں کے تلووں کا گوشت سخت ہو جائے تو کانٹا تو بجائے خود رہا داغ بھی دیا جائے تو اثر نہیں ہوتا۔ عرب کی دھوپ اور پتھریلی زمین پر ننگے پاؤں چلنے والے بدویوں کے پاؤں اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ ان کو داغ دینے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ یہی حال زمینداروں کا ہے۔

اسی طرح دل میں اگر نور فطرۃً موجود ہو تو ذکر الٰہی کا اثر فوراً ہوتا ہے۔ تیز چھری سے بکری ایک منٹ سے بھی پہلے ذبح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی گردن میں ہڈی نہیں ہوتی لیکن سؤر اس چھری سے کٹ ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے گلے میں سخت ہڈی ہوتی ہے کہتے ہیں کہ سؤر گردن کو موڑ نہیں سکتا۔ جو سؤر کا شکار کرتے ہیں وہ اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جب سؤر ان پر تیزی سے دوڑتا ہوا حملہ کرتا ہے تو وہ ذرا سا دائیں یا بائیں ہٹ کر اس پر وار کرتے ہیں۔ گلے میں ہڈی ہونے کی وجہ سے سؤر کو کلہاڑی سے اس طرح ہلاک کرتے ہیں جس طرح لکڑی کو کلہاڑے سے پھاڑتے ہیں۔ تب جا کر وہ ہلاک ہوتا ہے۔

حرام کھانے سے دل اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ اپنی اصلاح کے لیے ریاضت نہ کرے اور شیخ کامل اس کے قلب پر توجہ نہ کرے۔

حرام کی دو قسمیں ہیں (۱) صورتاً حرام۔ مثلاً سؤر، کتا (۲) معناً حرام۔ مثلاً بکری کا گوشت بظاہر حلال ہے۔ اگر چوری کی بکری ہو تو اس کا گوشت حقیقتاً حرام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دونوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین:

ہر مسلمان فقط اس چیز کا مکلف ہے کہ جو چیزیں شریعت نے حرام کی ہیں ان سے پرہیز کرے اور جو چیزیں بظاہر حلال اور حقیقت میں حرام ہیں مثلاً چوری کی بکری کا گوشت یا چوری کی بھینس کا دودھ۔ اس قسم کی حرام چیزوں کی تمیز ہر مسلمان نہیں کر سکتا سوائے ان اولیائے کرام کے جن کو اللہ نے نور باطن عطا فرمایا ہے۔ اور نور باطن کی بینائی سے وہ حقیقتاً حرام یا حلال کی پہچان کر سکتے ہیں۔ اس لیے وہ اولیاء کرام بظاہر حلال اور حقیقت میں حرام چیزوں سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔

ذاکر کی طبیعت چھوئی موئی بوٹی کی سی ہوتی ہے۔ بے دین اس کے سامنے آ کر بیٹھ جائے تو اس کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ اگر حلال طیب کھایا جائے تو قرآن کی تین آیتیں ختم نہ ہونے پائیں گی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

"وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر!"

فیض اللہ خان ازہر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بانّ لھم الجنّۃ ط

ترجمہ: بے شک اللہ تعالےٰ نے مومنوں سے ان کے نفسوں اور مالوں کو خرید لیا بدلہ میں اس کے کہ ان کے لیے جنّت ہے۔

بیع و شراء کہتے ہیں مبادلۃ المال بالمال (مال سے مال کا تبادلہ کرنے) کو۔ اور یہاں ایسے نہیں ہے کیونکہ یہاں بیع مومنین کے انفاس ہیں جو کہ مال نہیں ہیں۔ چونکہ اللہ تعالےٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر انسان دنیا میں میری رضا پر چلے تو میں اس کو جنّت عطا کروں گا۔ ظاہری صورت اس کی بھی وہی ہے جو بیع و شراء کی ہوتی ہے۔ اس لیے مشاکلۃً اشتریٰ کے لفظ سے تعبیر فرما دیا۔ نیز اللہ تعالےٰ نے شراء کی نسبت اپنی طرف فرما کر جنّت کو بمنزلہ ثمن کے بنایا۔ اور مومنین کے نفسوں اور مالوں کو بمنزلہ بیع کے اس لیے کہ بیع و شراء میں مقصود بیع ہوتی ہے۔ ثمن تو اس پر مرتّب ہوتے ہیں۔ اس طرف اشارہ ہے کہ مقصود نفسوں اور مالوں کو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے مطابق خرچ کرنا ہے نہ کہ جنّت کے لیے۔ نیز بیع و شراء (خرید و فروخت) میں مغائرت ملکیتین شرط ہے۔ (یعنی بیع ایک شخص کی ملکیت ہو اور ثمن (نقدی) دوسرے کی۔ اگر دونوں چیزیں ایک ہی شخص کی ملکیت ہو اور بیع و شراء (خرید و فروخت) کا تحقق نہیں ہو سکتا تو یہاں بھی یہی صورت ہے۔ کیونکہ مشتری اللہ تعالےٰ ہے جنّت (ثمن) تو اسی کی ہی ہوئی اور بیع یعنی مومنین کے نفس اور اموال کا مالک بھی وہی ہے۔ لیکن چونکہ جنّت مومنین کے اعمال پر مرتّب ہے۔ یعنی مومنین نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے اللہ تعالےٰ اس کا بدلہ جنت عطا فرمائیں گے۔ اسی لیے لفظ اشتریٰ لائے۔

جب بائع مبیع کو بیچ چکا اور مشتری نے لے لی تو اب بائع کو حق حاصل نہیں ہے کہ مبیع میں تصرف کرے۔ ہاں اگر مشتری نے بائع کو تصرف کا حق دے دیا۔ لیکن اس شرط پر کہ تصرف میری مرضی کے خلاف نہ کرنا تو جیسے مشتری کہے گا ویسے ہی تصرف کرنا پڑیگا۔ تو جب اللہ تعالےٰ نے مومنین کے نفسوں اور مالوں کو جنّت کے بدلے خرید لیا تو کسی مومن کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرے بلکہ اللہ تعالےٰ نے جیسے فرمایا ویسے ہی تصرف کرنا پڑے گا تو اللہ تعالےٰ نے آگاہ فرما دیا کہ میں نے قانون مقرر کر دیا۔ انّ الدین عند اللہ الاسلام ("بے شک پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے") یعنی اسلام کے مطابق اپنے نفسوں اور مالوں میں تصرّف کر سکتے ہو۔ اگر تم نے اپنے نفسوں اور مالوں میں تصرّف اسلام کے خلاف کیا تو میری مرضی کے خلاف کیا۔ اور یہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ دین تلاش کیا سو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا) اسی واسطے حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ جو پہلے یہودی مذہب رکھتے تھے اور یہودیوں (بنی اسرائیل) پر اونٹ کا گوشت حرام تھا۔ جب یہ مسلمان ہوئے ان کی طبیعت میں اونٹ کے گوشت کی نفرت موجود تھی۔ اس لیے کھانے سے

احتراز فرماتے تھے اگرچہ اعتقاد حلت کا رکھتے تھے چونکہ اسلام میں اونٹ کا گوشت حلال ہے اس لیے طبعی نفرت کی بنا پر نہ کھانا اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف تھا۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی۔ یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوٰت الشیطٰن (اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو)

شراب کا پینا ابتداء اسلام میں جائز تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا گیا۔ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہؓ اور ابو طلحہؓ اور ابی کعبؓ کو کھجور سے تیار کردہ شراب پلا رہا تھا۔ پس ان کے پاس ایک آنے والا آیا۔ اور خبر دی کہ شراب کو حرام کر دیا گیا۔ تو ابو طلحہؓ نے فرمایا۔ اے انسؓ! کھڑا ہو اور شراب کو بہا دے (بخاری ج ۲ ص ۸۳۶) طبیعت میں خواہش موجود ہے کہ شراب پئیں۔ کوئی ڈنڈا لے کر اوپر موجود نہیں ہے لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے پیغام پہنچتا ہے کہ شراب نوشی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے تو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ساتھی اپنی طبعی خواہش کو سراسر پامال کر کے اللہ تعالےٰ کی مرضی پر چلنے کے لیے شراب کو شہر کی گلیوں میں بہا کر (رضی اللہ عنہم و رضو عنہ، اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالےٰ سے راضی ہوئے) کے عظیم الشان خطاب سے نوازے جاتے ہیں۔ اگر ہم بھی اس چیز کو اپنا لیں تو دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ھدیۂ عقیدت

بحضور قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی

اختر کاشمیری

بساطِ سیاست پہ چھاتا چلا جا!
نیا رنگِ محفل جماتا چلا جا!

بہ ہر سُو ضلالت کی تاریکیاں ہیں
ہدایت کے دیپک جلاتا چلا جا

دگرگوں ہے اہلِ وطن کی طبیعت
علاجِ دل و جاں سکھاتا چلا جا

گرا کر سیاسی مچھیروں کے جھنڈے
شجاعت کے پرچم اڑاتا چلا جا

خدا کی حمایت تیرے ساتھ ہے
حریفوں کی گردن جھکاتا چلا جا!

جلا کر چراغِ ہدایت جہاں میں
دیے سامری کے بجھاتا چلا جا!

ہے اخترؔ کی تجھ سے یہی آرزو
تو آئینِ قرآں سناتا چلا جا!

○

محمود عارف، لاہور

قرآن کریم کے بلند دعوے اور پیشگوئیاں

جن کے سامنے اقوامِ عالم کے سر جھک گئے اور فصحاءِ عرب پر سکوتِ مرگ طاری ہوگیا

یوں تو بلاشبہ تمام قرآن کریم ہی منبعِ علم و ہدایت، آفتابِ علم و حکمت ہے، اس کا ہر حصہ، اور ہر پہلو ایک ایسی دلیل ہے جس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

مگر خاص طور پر اس "آفتاب" کی وہ شعاعیں جو ہر شخص کے دل میں ایمان و ایقان کا نور بھر دیتی ہیں۔ وہ قرآن کریم کی مستقبل کے متعلق وہ پیشین گوئیاں ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئی ہیں جیسے کہا گیا۔ ویسے ہی ہوا۔ اور جو دعوے نامساعد حالات میں کیا گیا۔ زمانہ اپنی کروٹ اس طرح بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ حالانکہ بظاہر یہ باتیں جس شخص کے منہ سے نکل رہی تھیں وہ عرب کا ایک "اُمّی" تھا اور سب کو معلوم تھا۔ مگر اس کے باوجود جو کچھ اس کی زبان مبارک سے نکلا حرف بحرف پورا ہوا۔

ذیل میں ہم قرآن کریم کی چند پیش گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا چیلنج

قرآن کریم جب نازل ہوا۔ عرب کی تاریخ کا یہ وہ دور تھا۔ کہ جب عرب کی فصاحت و بلاغت کا عروج تھا۔ ہر طرف فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ اس سرزمین پر جسے خطۂ عرب کہا جاتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کے دریا نہیں سمندر موجزن تھے۔ اس ملک کا ہر فرد اور اس خطے کا ہر باسی اس سمندر کی شاخیں تھیں۔ یہ ذوق اس قدر بڑھا۔ کہ "صنفِ نازک" بھی پیچھے نہ رہ سکیں۔ اور عرب کی خواتین میں وہ نامور شاعرات پیدا ہوئیں کہ جن کا نام بڑے بڑے شعرا کی شہرتوں کو مات کر گیا۔

ایسے وقت میں جب فصاحت و بلاغت کا ہر طرف زور و شور تھا۔ اور یہ سودا ہر دل و دماغ کو مسخر کئے ہوئے تھا۔ قرآن کریم نازل ہوا۔ جو نہ صرف فصاحت و بلاغت کا مدعی بلکہ بلاغت کا وہ سمندر تھا کہ جس کے سامنے عرب کی فصاحتیں اپنی ہستی کھو گئیں۔

قرآن کریم کا اعلان

قرآن کریم نے اعلان کیا —— آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام جنّ و انس اکٹھے ہو جائیں۔ تب بھی وہ قرآن کریم کی طرح کلام نہیں لا سکتے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں"

(بنی اسرائیل آیت ۸۸)

اس کے بعد صرف دس سورتوں کے بنانے کی دعوت دی گئی۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس کو بناتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم دس سورتیں ہی اس کی طرح کی بنا کر لا دو۔ اور خدا کے ماسوا جس کو تم بلا سکتے ہو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔

(سورۂ ھود۔ آیت ۱۳)

سب سے آخر میں صرف ایک ہی سورہ بنا کر دکھانے کا چیلنج کیا گیا۔

اور اگر تم اس کتاب کے بارے میں جو ہم اپنے بندے پر نازل کر رہے ہیں کسی قسم کے شک و شبہ میں مبتلا ہو تو ایک سورۃ ہی اس کی طرح کی بنا کر پیش کر دو۔ اور اپنے معبودانِ باطل کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔

(بقرہ۔ آیت ۲۳ - ایضاً یونس آیت ۳۸)

یہ چیلنج جو بار بار کیا گیا۔ ہر قوم اور ہر قبیلہ کے سامنے کیا گیا ہے۔ ان میں یہودیوں کے بھی عالم تھے۔ ان میں نصاریٰ بھی تھے۔ عرب کے فصحاء و بلغاء بھی تھے۔ شاعر بھی تھے، خطیب بھی تھے۔ مقرروں کی بھی کمی نہ تھی۔ مگر آپ جانتے ہیں تمام طبقوں نے اس چیلنج کا جواب سوائے خاموشی کے اور کچھ نہ دیا۔

بعض شعراء نے جب یہ پُر اثر کلام سنا تو وہ اپنی شعر و شاعری سے تائب ہو گئے (دیکھئے تاریخ ادب عربی) بعض خطباء اس کلام کے حسن تاثیر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ۔

اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گئے۔

عمر ابن الخطاب کی فصاحت سے کون ناواقف ہے، طفیل ابن عمرو دوسی کی جلالت کا کون منکر ہے۔ ضمیر ازدی کے رتبے کا کسے انکار ہے۔ "خنساء" کی شاعرانہ خوبیوں کا کسے اعتراف نہیں۔

مگر یہ سب جاہلیت کے پیشواء اسلام کے سایۂ عاطفت میں نظر آتے ہیں۔ بلکہ اسلام کے یہ ایسے عقیدت کیش بن جاتے ہیں کہ جو تاریخ میں اسلام کے علمبردار کہلاتے ہیں۔ کیا تاریخ کا ایسا واضح اور بین ثبوت نہیں کہ یہ قرآن کلام اللہ ہے۔ کلام الناس نہیں۔ اگر کلام الناس ہوتا تو اور لوگ بھی اس کی تقلید کر سکتے اور بھی فصحاء اس کی مثل بنا کر لا سکتے۔ مگر سب بڑے بڑے فصحاء کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور کسی کی نظر نہیں اٹھتی۔

قرآن کریم کا مقابلہ کرنے کی کوششیں

لیکن یہ بحث اس وقت تک تشنہ ہے۔ کہ جب تک ان لوگوں کا ذکر نہ کر دیا جائے۔ جنہوں نے قرآن کریم کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کا کلام ایسا تھا کہ خود ان کی قوم نے ان کے منہ پر دے مارا۔

مسیلمہ کذاب نے جو بنی حنیفہ میں سے تھا۔ جب نبوت کا دعوے کیا تو اپنی دلیل کے طور پر وہ قرآن کی طرح کا کلام پیش کرتا جو محض تک بندی ہوتی۔ اور جس میں معانی کا پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔

اس کا کلام ایسا بیہودہ اور لچر تھا کہ اسے نقل کرنا ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح وہ اپنی موت مر گیا ویسے ہی اس کے کلام کا شہرہ طلوع سے پہلے ہی ڈوب گیا۔

"ابن المقفع کی یتیمہ"

ہاں تاریخ میں ایک ایسی مثال بھی ملتی ہے کہ جسے باقاعدہ اور منظم شکل میں قرآن کریم کا مقابلہ کرنے کی کوشش کہہ سکتے ہیں۔ یہ کوشش ابن المقفع کی طرف سے ہوئی جو پہلے مجوسی النسل تھا۔ بعد میں نبوت کا دعوے کیا۔ اس کی یہ کتاب مسمیٰ "یتیمہ" ایسی کتاب ہے۔ جسے مجوسی قرآن کریم کے مقابلے میں پیش کرتے تھے۔

مگر عبدالقادر جرجانی جو ایک معتزلی عالم اور فصاحت و بلاغت میں اپنی نظیر آپ تھے، نے دلائل الاعجاز میں اس کا اس طرح رد کیا کہ جس سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ یتیمہ کو قرآن کریم کے مقابلے میں پیش کرنا، آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔

تاریخ کا سکوت کیوں؟

یہاں ہر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ قرآن کریم کا مقابلہ کرنے کی کوئی کوشش ہوئی ہو۔ اور اس سلسلے میں مساعی کو کامیابی بھی نصیب ہوئی مگر تاریخ نے اسے محفوظ نہ رکھا ہو۔ لیکن یہ سوال اسی وقت درست ہو سکتا ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ پورے دنیا سے اسلام کے مخالفین ختم ہو چکے تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک کفر کا ہر طرف زور و شور ہے اور مخالفین اپنی قوت میں، اپنی تعداد میں، اپنی مساعی میں اہل اسلام سے کئی گنا زیادہ ہیں اور زیادہ رہے ہیں۔ اندریں حالات جب کہ مخالفین سے ہر قسم کی جنگوں کی نوبت آ گئی۔ یہ کہنا کیسے درست ہے کہ تاریخ نے اسے محفوظ نہ رکھا ہو۔ جب کہ تاریخ نویس صرف مسلم ہی نہیں۔ مخالف بھی نظر آتے ہیں۔

اگر کسی مسلمان کی تاریخ کے صفحات اس "کوشش" کے ذکر سے خالی ہیں۔ تو کسی غیر مسلم کے اوراق پارینہ تو بلاشبہ اس کی شہادت دے سکتے تھے۔ مگر تمام تاریخ میں ایک سکوت اور ایک خاموشی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اگر ملتا بھی ہے تو ایسا۔ کہ اسے مقابلہ میں لانے والا خود ہی بول اٹھتا ہے کہ یہ مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

حفاظت قرآن

دوسری عظیم پیش گوئی، قرآن کریم کا اپنے متعلق یہ اعلان ہے کہ قرآن کریم قیامت تک محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

> "بے شک ہم نے ہی اس کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے"۔ (سورۂ حجر آیت ۹)

تاریخ اسلام کے نازک سے نازک موڑ آئے۔ جہاں پہنچ کر اپنے بھی گھبرا اٹھے، کبھی اندرونی خلفشار ہوا۔ کبھی فرقہ بندی نے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کی، کبھی تاتاریوں کی یلغار نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے سر اٹھایا۔ کبھی انگریز جو صرف مسلم دشمن ہی نہیں۔ بلکہ اسلام دشمن بھی تھے۔ پورے عالم اسلام پہ چھا گئے۔ مگر تاریخ کا یہ کیسا واضح اور بین ثبوت ہے کہ ان تمام واقعات کے باوجود قرآن کریم آج تک محفوظ رہا۔ اور محفوظ رہے گا۔ بائبل (تورات) بخت نصر کے ایک ہی حملہ سے اپنی قطعیت کھو بیٹھی۔ اور اس کے اوراق حملہ آوروں کی تخریب کا شکار ہو گئے۔ مگر دورِ اسلام میں کئی بخت نصر آئے۔ کئی دشمن تخریب کاری پہ آمادہ ہوئے۔ وہ سب کچھ کر گئے۔ مگر قرآن کریم کا ایک لفظ اپنی جگہ سے نہیں بدل سکے۔ یہ تاریخ کا ایسا واضح ثبوت ہے کہ جس میں اسی طرح شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح دن کے دن ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

چودہ سو (۱۴۰۰) برس گزر گئے۔ اور بھی نامعلوم کتنی صدیاں بیت جائیں گی مگر قرآن کریم کی قطعیت میں کبھی تغیر و تبدل نہیں آ سکے گا۔

قربانی کا تاریخی پس منظر

قسط ۲

مولانا محمد اجمل لاہور

تاہم اسی تقرب خداوندی کو حاصل کرنے کے لیے تمام امتِ مسلمہ ہمیشہ سے اس سنتِ ابراہیمی کو ہر سال زندہ تابندہ کرتی چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں اسی کی تصریح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِیُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ

یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان قربانیوں کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیڑ کی اُون کا بھی یہی حساب ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اُون کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔

اور معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں ہر سال عید قربان کے موقع پر قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپؐ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔ چنانچہ ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

قربانی کا بحیثیت عبادت مشروع ہونا اگرچہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ثابت ہے لیکن اس کی ایک خاص شان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کو سورۃ صافات میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اسی یادگاری حیثیت سے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں قربانی کو صاحبِ استطاعت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ عالم کا ایک بے نظیر اور سبق آموز واقعہ ہے۔

اسلام میں مسئلہ قربانی کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس صراحت کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جانور کی قیمت کا صدقہ کر دینا یا رقم کو کسی دوسرے کارِ خیر میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کر سکتا، جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدل روزہ کافی نہیں، زکوٰۃ کافی نہیں۔ کوئی شخص اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اس سے ادا نہیں ہوتا۔ اسی طرح صدقہ و خیرات کتنا بھی کر دے وہ قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ثواب اِھْرَاقِ دَم (یعنی خون بہانا) میں ہے نہ انفاقِ مال میں ذبح کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس سے مسلمان میں جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی روح ہے تو یہ روح صدقہ، خیرات سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن اور وقت متعین نہیں مگر قربانی کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عید الاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا ہے۔

حنفی مسلک کے تمام فقہاء کرام قربانی کے لیے کسی

قسم کے بدل کی اجازت نہیں دیتے۔
چنانچہ فتاویٰ عالمگیری اور بدائع الصنائع میں تصریح ہے:-

لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا
فی الوقت لا یجزئه عن الاضحیة

اگر کسی نے زندہ بکری یا اس کی قیمت قربانی کے دنوں میں خیرات کر دی تو اس سے قربانی نہیں ادا ہو گی۔

فتاویٰ عالمگیری اور جوہرہ نیرہ میں یہ عبارت بھی مسطور اور مذکور ہے۔

شراء الاضحیة بعشرة دراھم
خیر من التصدق بالف درھم

دس درہم سے قربانی کا جانور خریدنا ایک ہزار درہم فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

آیئے تھوڑی دیر کے لیے تاریخ عالم کی اس عظیم شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس شاندار ایثار و قربانی پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اسی کی خاطر وطن کو چھوڑا، ہجرت کی، قوم سے اور اپنے باپ سے علیحدگی اختیار کی، عزیزوں، رشتہ داروں سے ترک تعلق کیا۔ آخر کار جان عزیز پر کھیلنا پڑا اور نار نمرودی میں جست لگانا پڑی۔ راہِ حق میں خندہ پیشانی سے تمام مصائب و شدائد، آفات و بلیات کو برداشت کیا۔ ان مختلف آزمائشوں میں کامیاب ہونے کے بعد سب سے مشکل ترین امتحان سے بھی دو چار ہونا پڑا۔ آخری عمر کی دعاؤں کے ثمر، دل کے سرور، آنکھوں کے نور، ہونہار فرمانبردار بیٹے اسمٰعیلؑ کو قربان کر دینے کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا وفاشعار بندہ خوشی خوشی اس کے لیے آمادہ ہو گیا اور عملی طور پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے معصوم حلقوم پر بے تکلف چھری رکھ دی۔

مسلمانوں کو ان حالات و واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین حق کے لیے جان و مال، عزت و آبرو اور اولاد تک اگر قربان کرنے کی نوبت آ جائے تو بغیر کسی تردد اور تذبذب کے بازی جیتنے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دینا سب سے بڑی سعادتمندی اور کامیابی ہے۔ اس وقت پاکستان میں کتاب و سنت کی بالادستی، سربلندی اور شریعت کے عملی نفاذ کے لیے دامے، قدمے، سخنے اور قلمے کام کرنا بہت بڑا جہاد اور اعلیٰ درجہ کی قربانی ہے۔ ملک میں جہالت بہت زیادہ ہے اس مہم کے لیے سخت محنت اور کاوش کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے مضامین لکھنا، وعظ و تقریر، جلسے، چھوٹی مجلسیں، شخصی ملاقاتیں وغیرہ جملہ ذرائع کو استعمال میں لانا ازحد ضروری ہے اور ان لوگوں تک پہنچنا بھی بہت اہم ہے جو مساجد میں حاضر نہیں ہوتے اور دین سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ اس کام کو صرف شہروں تک محدود کرنا مناسب نہیں بلکہ دیہاتوں میں بھی تبلیغ و تلقین کرنا اور ان کے ضمیر اور شعور کو بیدار کرنا بہت ضروری کام ہے کیونکہ صحیح شعور کے بغیر نیک و بد، حق و باطل، معروف و منکر، خلوص و نفاق، دوست و دشمن، مصلح اور مفسد کے درمیان تمیز اور فرق کرنا ناممکن ہے۔ اسی صحیح شعور کے بعد خدا کی زمین پر حکومت الٰہیہ کا قیام ممکن ہے۔

آخر میں تمام دینی جماعتوں سے دردمندانہ اپیل ہے کہ اس پُر آشوب دور میں جبکہ بے دینی، عیاشی، فحاشی، شراب نوشی، قماربازی، زناکاری، سفارش، رشوت، چوری، جعلسازی، کنبہ پروری، خود غرضی، ذخیرہ اندوزی، چوربازاری، سود خوری، بیحیائی، بے غیرتی اور فلم بینی جیسے موذی اور مہلک امراض پورے معاشرے کو جنگل کی آگ کی طرح اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ باہمی آویزشوں اور جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے پورے اتفاق و اتحاد، تنظیم و تنسیق کے ساتھ ان امراض سے نجات حاصل کرنے کے لیے مردانہ وار مقابلہ کریں اور اس نازک وقت میں اپنے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیں اور فراخدلی اور رواداری کا عملی ثبوت مہیا کر کے عنداللہ ماجور ہوں اور دارین کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔

مطالب ہیں بہت مگر وقتِ دعا کچھ بھی نہیں
الٰہی! فضل کر اس کے سوا کچھ بھی نہیں

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

تاریخی ڈائری

اختر کاشمیری

اسلام سے رُوگردانی کا نتیجہ

حیوان، اژدہے، بیہودگی، حیلے، بھوت اور گھونسے، مسخ، ہلاکت، بت، طاعون، بھونچال، خونی بارش، آگ، آسمانی حادثے، طوفان، سیلاب، زلزلہ، وبا، قحط

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں جب کبھی زلزلہ، سیلاب، آسمانی آفات، زمینی فتنے، آتش زدگی اور اسی قسم کے حادثات رونما ہوتے ہیں، ان کے پس منظر میں لوگوں کی دین سے بے اعتنائی، روگردانی، تمرّد، سرکشی، بغاوت اور اہل دین سے مجرمانہ سلوک اور ان کی تضحیک ہوتی ہے۔

یوں تو ہر دور میں اہل حق کے مقابلے میں فتنہ پرداز لوگوں کا ایک گروہ موجود رہا ہے یعنی ۲۱۲ ہجری میں جب مامون نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اعلان کرکے اس تصور کی نفی کرنے والے اکابرین اسلام میں سے حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ، محمد بن نوح رحؒ، سجادہ رحؒ اور قواریری رحؒ پر جو مظالم ڈھائے اور اس کے جانشینوں نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کرکے جس طرز عمل کا مظاہرہ کیا اس پر اللہ کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آئی اور دنیا میں مسلسل ایسے حادثات رونما ہوئے جن سے اہل دنیا کانپ اُٹھے۔ آج کی مجلس میں ان واقعات کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے:۔

- چنانچہ ۲۳۴ھ میں عراق پر نہایت خطرناک قسم کی بادِ سموم چلی جس کی وجہ سے کوفہ، بصرہ اور بعض دوسرے مقامات پر کھیت جل گئے اور بے شمار انسان ہلاک ہوگئے — یہ سلسلہ پچاس دن تک جاری رہا اور اس نے کئی علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بازاروں کی آمد و رفت معطل ہوگئی اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔

- ۲۳۷ھ میں متوکل نے بصرہ کے قاضی القضاۃ ابوبکر محمد بن ابواللیث کی داڑھی منڈوا کر گدھے پر سوار کیا اور سارے شہر کا گشت کرایا۔ ایک خدا کے بندے اور سنّتِ رسولؐ کی اس تذلیل کے فوراً بعد مستان میں ایک خوفناک آگ لگی۔ جس سے لوگوں کے مکانات جل کر راکھ ہوگئے اور یہ آگ مسلسل تین دن تک جلتی رہی۔

- ۲۴۰ھ میں باشندگان حلاط نے فضائے آسمانی سے ہیبت ناک چیخیں سنیں اور اکثر لوگ خوف سے ہلاک ہوگئے۔ عراق میں مرغی کے انڈوں کے برابر اولے برسے جس سے عراق کے تین مغربی مواضع زمین کے برابر ہوگئے۔

- ۲۴۱ھ میں آسمان سے ستارے ٹوٹ کر گرنے لگے جن سے لاتعداد انسان جاں بحق ہوگئے۔

- ۲۴۲ھ میں ایک زبردست زلزلہ آیا کہ "تونس، رے، خراسان، نیشاپور، طبرستان اور اصبہان وغیرہ کی بنیادیں ہل گئیں، پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، زمین میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے۔ اسی سال مصر میں آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی جن میں بعض پتھروں کا وزن ۱۰ پونڈ تھا۔ یمن کے پہاڑوں میں ایسا زلزلہ آیا کہ ایک جگہ کے کھیت دوسری جگہ چلے گئے۔ اسی سال حلب میں ایک سفید پرندہ ظاہر ہو کر چیخنے لگا اور چالیس مرتبہ چیخ کر اڑ گیا۔ دوسرے دن پھر نمودار ہوا اور حسب معمول چیخنے لگا۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو اس نے پانچ صد حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:"اے لوگو! اللہ سے ڈرو، اور گناہوں کی معافی مانگو"۔

- ۳۰۶ھ میں عراق میں زلزلہ آیا اور ہزاروں انسان ہلاک ہوگئے۔

- ۲۶۵ھ میں سردار بہبود نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور صرف ایک دن میں تین لاکھ مسلمان شہید کئے گئے اس کے تھوڑے عرصے بعد بغداد کی نہر عیسیٰ کا بند ٹوٹا جس کا پانی بغداد کے محلہ

کرخ تک چڑھ گیا اور بغداد کے سات ہزار مکانات منہدم ہو گئے۔

- ۲۸۹ھ میں بغداد میں سخت آندھی آئی اور کئی دن تک جاری رہی اور پھر بڑھ کر بصرہ تک جا پہنچی اور اس سے تمام درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ اور باغات تباہ ہو گئے۔ اس سے خطرناک آندھی کبھی نہیں آئی تھی۔ اس آندھی کی آمد سے چند دن پہلے ایک داغدار چہرے والے حسین نامی کذاب آدمی نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب اس شخص کے دامِ فریب میں لوگ آنے لگے تو دریائے دجلہ میں اتنا بڑا سیلاب آیا جس کی مثال تاریخ میں نایاب ہے۔ اس سیلاب کا پانی ۲۱ گز بلند ہوا اور بغداد کو تباہ کر گیا۔
- ۳۰۴ھ میں بغداد میں ایک بچھو ظاہر ہوا جو بچوں کو کھاتا اور عورتوں کے پستان کاٹ لیتا تھا۔ لوگ اس کے خوف سے سیٹیاں بجا کر ایک دوسرے کو ہوشیار کرتے اور بچوں کو پنجروں میں سلاتے تھے۔
- ۳۲۳ھ میں بغداد میں عصر اور مغرب کے درمیان ایک سیاہ آندھی آئی جس سے پوری دنیا پر مکمل تاریکی چھا گئی اور تمام رات آسمان سے بڑے بڑے تارے گرتے رہے۔
- ۳۲۷ھ میں ابو علی نے یحییٰ بن عمر بن یحییٰ علوی کو لکھا کہ حاجیوں سے پانچ سو اشرفیاں ٹیکس وصول کر کے حج کرنے کی اجازت دو۔ یہی وہ پہلا سال تھا جب حاجیوں نے ٹیکس ادا کر کے حج کیا۔ چنانچہ ۳۲۸ھ میں ایسا سخت سیلاب آیا کہ پورا بغداد غرق ہو گیا۔ ۳۲۹ میں شہر منصورہ کا سبز گنبد ایک رات کی بارش اور کڑک سے گر کر پیوندِ زمین ہو گیا۔ یہ گنبد بغداد کا تاج اور بنو عباس کا نشان سمجھا جاتا تھا۔
- ۳۳۴ھ میں بغداد میں اتنی سخت گرانی ہوئی کہ لوگ مردار اور گوبر تک کھا گئے۔ اکثر لوگوں نے کتوں کا گوشت کھایا، باغات اور اراضی دو روٹیوں کے عوض فروخت کی گئیں۔ مسافر راستے ہی میں مر گئے۔ محتاج اور مفلس لوگوں کے گھروں میں بھنے ہوئے بچے پائے گئے اور ایک بوری گیہوں ۲۰ ہزار درہم میں خریدا گیا۔ دمشق میں ایک سو بیس سیر گیہوں کی بوری کی قیمت ۱۰ قنطار تھی (قنطار ایک ہزار دو سو اوقیہ کا ہوتا ہے اور ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں)
- ۳۳۴ھ قائم عبیدی کا انتقال ہوا۔ اس شریر النفس کا بیٹا اسماعیل منصور باللہ جو اس سے زیادہ شریر النفس تھا برسرِ اقتدار آیا، یہ شخص انبیاء کو گالیاں اور صحابہؓ پر طنز کرتا تھا۔ اسی دور میں ایک نوجوان نے دعویٰ کیا کہ میرے اندر حضرت علیؓ کی روح حلول کر گئی ہے۔ ایک اور نے دعوےٰ کیا کہ میرے اندر حضرت فاطمہؓ کی روح حلول کئے ہوئے ہے۔ ایک تیسرے شخص نے جبرئیل ہونے کا دعوےٰ کیا۔ چنانچہ ان مدعیانِ علویت و فاطمیت کا شور و غوغا جاری تھا کہ مصر کے اندر شدید زلزلہ آیا جو تین گھنٹے تک جاری رہا۔ جس سے ہزاروں مکانات پیوندِ زمین ہو گئے اور بے شمار جانیں تلف ہو گئیں۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس سال سمندر کا پانی اسّی گز اتر گیا اور سمندر میں پہاڑ اور جزیرے نظر آنے لگے اور "رے" کے قرب و جوار میں اتنا شدید زلزلہ آیا کہ شہر طالقان زمین دھنس گیا اور صرف ۳۰ آدمی زندہ بچے "رے" کے ڈیڑھ سو مواضعات زمین میں دھنس گئے۔ حلوان کے اکثر علاقے بھی زمین میں اتر گئے۔ زمین کے پھٹنے سے مردوں کی ہڈیاں باہر نکل آئیں۔ زمین میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے اور ان سے فوارے نکلنے لگے، پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ ایک گاؤں کا گاؤں آسمان میں معلق ہو گیا۔ پھر دوپہر کے بعد زمین پر گرا اور زمین میں دھنس گیا زمین میں پڑے ہوئے شگاف بدبودار پانی اور دھواں اگلنے لگے۔ بقم، حلوان اور جبال پر سخت زلزلہ آیا جس سے بے انتہا مخلوق تباہ ہوئی اور اس کے بعد ٹڈی دل آئے جو تمام باغات

اور اجناس کا صفایا کر گئے۔

• ٣٥٢ھ میں آذان میں ایک بدعت ایجاد کی گئی اور حی علی خیر العمل کے الفاظ بڑھائے گئے تو عراق میں آسمان سے ایک بڑا ستارہ ٹوٹ کر گرا جس سے دنیا جگمگا اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب کی تیز شعاعیں عکس ریزی کر رہی ہیں۔ اس ستارے کے گرتے وقت بجلی کی سخت کڑک پیدا ہوئی جس سے لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ بغداد میں ایک آگ پھیلی جس سے شہر بھر کے انسان جل کر خاک ہو گئے۔ وزیر ابوالفضل شیرازی بھی اسی میں جل گیا اس طرح کی آتش زدگی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

• ٣٩٣ھ میں دمشق کے نائب سلطنت اسود حاکمی نے علامہ مغربی کو ایک گدھے کے اوپر سوار کر کے شہر بھر میں گشت کرایا۔ دریائے دجلہ میں زبردست طوفان آیا جس سے بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوا۔ جن لوگوں نے بلند جزیروں پر جا کر پناہ لی اور توبہ کی صرف وہی زندہ بچے۔

• ٤٥٢ھ میں آسمان سے ایک ستارہ نمودار ہوا جو چاند کے برابر اور اسی طرح روشن تھا۔ اس سے لوگوں میں دہشت پھیل گئی یہ ستارہ دس راتوں تک نکلتا رہا۔ رملہ میں زلزلہ آیا جس سے پوری آبادی تباہ ہو گئی۔ کنوؤں سے پانی ابلنے لگا۔ جن میں ٢٥ ہزار آدمی مر گئے۔ سمندر اپنے ساحل سے ایک دن کی مسافت پیچھے ہٹ گیا لوگ اس ہٹے ہوئے سمندر کی خشک زمین پر مچھلیاں پکڑنے لگے کہ ایک دن اچانک دوبارہ چڑھ گیا اور تمام لوگ ڈوب مرے۔ اس کے بعد

• ٣٦٢ھ میں ایسا شدید قحط پڑا کہ لوگوں نے ایک دوسرے کا گوشت کھایا۔ ٣٦٢ھ میں ایک پیمانہ کی قیمت سو اشرفی ہو گئی۔ ایک کتا پانچ اشرفی اور ایک بلی تین اشرفی میں بکنے لگی۔ ایک عورت نے سونے کا ایک پیمانہ ایک روٹی کے بدلے نیلام کرنا چاہا لیکن کسی نے خریدنے کی ہمت نہ کی۔ پھر مصر میں ایسا قحط پڑا کہ ایک عورت نے ایک روٹی ایک ہزار اشرفی میں خریدی۔

• ٤٥٢ھ میں بغداد میں ایک کالی آندھی آئی اور ریت کی بارش برسنے لگی۔ تمام لوگوں کو قیامت کا یقین ہو گیا۔

• ٤٨٩ھ میں طوفان نوح کی طرح ایک ایسا سیلاب آیا جو مناقب میں جمع تمام حاجیوں کو بہا کر لے گیا۔

• ٥١١ھ میں زبردست بارش ہوئی اور طوفان آیا۔ شہر کا دروازہ سیلاب میں بہہ کر کئی میل دور چلا گیا۔ دو سال بعد جب زمین خشک ہوئی تو زمین کے نیچے سے دروازہ ملا۔ جس میں ایک جھولا تھا اور اس میں ایک بچہ صحیح سلامت سویا ہوا تھا جو بعد میں بوڑھا ہونے تک زندہ رہا۔

بقیہ: مجلسِ ذکر

بعض لوگ میرے پاس آکر شکایت کرتے ہیں کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں ذکر بھی کرتے ہیں لیکن لذت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ اکل و شرب حرام و مشتبہ مال ہے اگرچہ عوام اس کے مکلف نہیں یا تو اللہ آنکھیں عطا فرمائے اور یا پھر آنکھوں والے کے سایہ تلے رہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ حقیقی حرام سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ اگر باطن کی آنکھیں عطا فرمائیں تو دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ چیز حرام ہے اور یہ حلال۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مشتبہ اور حرام حلال میں تمیز کی توفیق دے۔ آمین!

خوفِ خدا

ہر انسان چاہتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ دولت میرے ہی پاس ہو، سب سے بڑا منصب مجھے ہی حاصل ہو۔ دنیا کی خوبصورت ترین عورت میرے ہی قبضہ میں ہو حتیٰ کہ دنیا کی جمیع نعمتوں اور آسائشوں پر صرف اور صرف میری ہی اجارہ داری ہو یہ قوت شہوانیہ ہے۔ ام الانسان ماتمنیٰ کے اصول کے تحت جب اس کی مطلوبہ و مرغوبہ چیز اس کے ہاتھ نہیں لگتی تو پھر ہر جائز و ناجائز ذرائع سے باریابی کی کوشش کرتا ہے۔ ہر اس چیز کو جو اس کے مطلوب کے سامنے حائل نظر آئے اٹھا کر پرے پھینک دینے پر [illegible] لیتا ہے جب اپنی نسبت ایک کمزور آدمی کو اس چیز سے متمتع دیکھتا ہے جس کو ہزار کوشش کے باوجود نہ حاصل کر سکا تھا تو اس کا دل جوش سے کھولنے لگتا ہے یہ قوت غضبیہ ہے جس کے اشارہ پر چوری۔ ڈاکہ۔ قتل سے بھی نہیں چوکتا۔ قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کے ملاپ سے وہ تمام خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جو روز مرہ مشاہدہ کئے جا رہے ہیں۔ باپ کو بیٹے نے اس لئے قتل کر دیا کہ باپ کی زندگی میں میراث نہیں لے سکتا تھا۔ بھائی کو بھائی نے اس لئے ذبح کر دیا کہ موروثی جائداد کا واحد وارث وہی قرار پائے۔ ایک بے گناہ کو موت کے گھاٹ اس لئے اتار دیا۔ تاکہ اس کی بیوی سے نکاح کر کے دلی حسرت پوری کر سکے۔ الحاصل سب جرائم و مظالم انسان کی قوت شہوانیہ و غضبیہ کر سکتے ہیں۔

انسان کے غدر گناہ کو زائل کرنے کے لئے رحیم و کریم خالق نے ایک ایسی قوت بھی ودیعت کر دی جو ہر غلط اقدام پر اس کو ٹوکتی اور تباہی میں گرتے ہوئے اس کا دامن تھامتی ہے۔ یہ قوت [illegible] ہے۔ یہی فطرت سلیمہ اور فطرت کی آواز ہے۔

ایک مثال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکو واعظ اللہ سے تعبیر کیا یعنی جب انسان کسی گناہ کا عزم کرتا ہے تو فوراً ضمیر کی آواز اسے ملامت کرتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے "دع ما یریبک الی ما لا یریبک" یعنی جب تیرا دل متردد ہو کسی کام کے گناہ و مباح سمجھنے میں تو وہ شق اختیار کر لو جس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ گناہ و ثواب کا فرق بتانے والا کوئی نہ ہو تو دل سے فتویٰ پوچھنے کا قاعدہ بھی اسی قوت کا مرہون منت ہے۔ لیکن جب میدان عمل میں انسان کو دیکھتے ہیں تو اس کی قوت عقلیہ شہوانیہ و غضبیہ کے درندوں کے سامنے ایک بے بس ہرن کی طرح مظلوم نظر آتی ہے۔ بڑے بڑے فلاسفر جن کی عقل و دانش نے دنیا میں دھاک بٹھا دی۔ بڑے بڑے سائنسدان جنہوں نے لوہے کو ہوا میں اڑا کر دکھا دیا۔ بڑے بڑے ڈاکٹر جنہوں نے سینہ سے دل نکال کر ہتھیلی پہ رکھ کر اس میں اپریشن کیا پھر اپنے مقام پر رکھ کر ٹانکے لگائے اور مریض چنگا بھلا چلنے لگا۔ لیکن جب ان کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی زندگی بھی ایک افریقی جنگل کی طرح ملوث و آلودہ بلکہ اس سے بھی بدتر نظر آتی ہے اس وقت عجیب سی الجھن پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر محض عقل و دانش پر مدار ہوتا تو یہ لوگ اعلیٰ قسم کی پاکیزہ زندگی سے مزین ہوتے لیکن معاملہ برعکس کیوں ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ عقل محض ہوتا و طیش جیسی دو مہیب طاقتوں کا مقابلہ بجز ایک دوسری چیز کے تعاون کے نہیں کر سکتی۔ وہ دوسری چیز خوف خدا ہے۔ جو تمام اعمال صالحہ کی روح اور افعال قبیحہ سے روکنے کا واحد آلہ و ذریعہ ہے۔ انسانیت کی افضل ترین شخصیات انبیاء علیہم السلام کے ذکر خیر میں خدائے قدوس نے خشیت الٰہی کو نمایاں طور پر ذکر کیا و کانوا لنا خاشعین (ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے)

باقی صفحہ [illegible] پر

بچوں کے لیے

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ

ناصر الدین، موہنی روڈ، لاہور

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور نشو و نما کا مقام شہر بغداد تھا۔ جو آپ کے مبارک نام کے ساتھ مل کر اس کا ایک ضروری جزو بن گیا۔ آپ کے والد بزرگوار جناب محمدؒ ایک معمولی شخص تھے جو کبھی شیشے اور کبھی چھڑا بیچ کر گزر اوقات کرتے تھے۔ ابتدائی علوم آپ نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ سے حاصل کیے جو اس وقت کے اہل طریقت کے امام اور حقیقت و معرفت کے آفتاب تھے۔ حضرت سری سقطیؒ کی ہی توجہ اور تعلیم سے حضرت جنیدؒ ابھی سات سال ہی کے تھے کہ حضرت سری سقطیؒ انہیں اپنے ہمراہ حج کو لے گئے۔ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت سری سقطیؒ چند بزرگ ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے مسئلہ شکر پر بات چیت کر رہے تھے ہر بزرگ نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس پر اظہار خیال کیا۔ جب سب لوگ اپنا اظہار کر چکے تو حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے سے مخاطب ہوئے اور بولے۔ بیٹا! تم شکر کو کیا سمجھتے ہو؟ ہونہار بچے نے کہا:۔

"اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو پاکر اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ بس میرے نزدیک یہی شکر ہے"۔

ایک سات سالہ بچے کی زبان سے یہ عارفانہ الفاظ سن کر سب ششدر رہ گئے

حضرت سری سقطیؒ نے صرف اتنا کہا۔ یقین ہے کہ کہ تمہیں خداوند تعالےٰ سے جو فیض حاصل ہوگا وہ تمہاری زبان کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ حضرت سری سقطیؒ اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن بھانجا عارف کامل ولی سید الطائفہ درویش بنے گا اور اسی واسطے انہوں نے اسے بچپن ہی سے اپنے رنگ پہ لگانا شروع کر دیا۔ جب تک حضرت جنیدؒ نے علوم ظاہری پر اچھی طرح عبور حاصل نہ کیا۔ حضرت سری سقطیؒ نے انہیں باقاعدہ بیعت کا شرف نہیں بخشا۔ آپ جہاں حضرت جنیدؒ کو ایک کامل ولی دیکھنے کے آرزومند تھے وہاں ان کی ایک یہ بھی دلی خواہش تھی کہ حضرت جنید بغدادیؒ ایک زبردست عالم بنیں۔ بیس سال کی عمر میں آپ نے یہ سب تعلیم مکمل کر لی۔ اس کے بعد آپ علامہ ابو ثور ابراہیم کے حلقہ میں بیٹھ کر فتوے لکھا کرتے تھے۔ جب حضرت سری سقطیؒ نے یہ سمجھ لیا کہ جنیدؒ اب ہر طرح کی تعلیم سے بہرہ مند ہو چکے ہیں تو سری سقطیؒ نے انہیں اپنا محرم راز بنا کر ان سے ریاضتیں شروع کروا دیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے تیس سال تک ایک زینے کے نیچے بیٹھ کر اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس کی۔ تیس سال تک یہ حال رہا کہ عشاء کے بعد سے جو کھڑے ہوتے تو صبح کر دی۔ اسی عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔

الغرض ان خوبیوں کے ساتھ جب یہ لدنّی علم کا آفتاب آسمان ولایت پر پہنچا تو دنیا پر تصوّف کی شعاعیں ڈالنے لگا۔

ایک دفعہ آپ کی آنکھیں دکھنے آئیں ایک نصرانی طبیب کا علاج شروع کیا اس نے کہا آنکھوں پر پانی نہ لگنے پائے۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے میں تو وضو کرتا ہوں۔ طبیب نے کہا۔ اختیار ہے مگر آنکھیں کھو بیٹھیے گا۔ آپ نے کچھ پروا نہ کی وضو کیا نماز پڑھی اور سو گئے۔ سو کر اٹھے تو آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔ طبیب حیران و ششدر رہ گیا اور بولا یہ خالق کا علاج ہے مخلوق کا نہیں اور مسلمان ہو گیا۔

اکثر حاجت مند آپ کے پاس اپنی اپنی حاجتیں لے کر آتے تھے۔ آپ ان سے نہایت اخلاق سے پیش آتے اور ان کے دامنوں کو گوہر مراد سے بھر

بقیہ صفحہ ۲۳ پر

ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

مولانا محمد یونس، خطیب مسجد شہداء لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد:

جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اور اس کی یاد اور اسی ہی سے اپنی تمام ضروریات مانگنا اور طلب کرنا نہ صرف یہ کہ اس کی محبت اور تقرب اور تعظیم کا ذریعہ ہے بلکہ ایک بہت بڑی عبادت ہے، بلکہ عبادت کا نچوڑ ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں ذکر اور دعا کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک یہی نظریہ چلا آرہا ہے اور امّت مرحومہ کے علماء حقانی اور شیوخ ربّانی اور اہل اسلام ہمہ تن ذکر الٰہی میں مصروف چلے آرہے ہیں اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ اس کے ذکر اور دعا کو دینی اور دنیوی کامیابیوں کا راز سمجھا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان اس میں ذرّہ بھر تامّل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے اور ہر مسلمان اس کو نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نصوص قطعیہ کے پیشِ نظر ایسا سمجھنا بالکل صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون۔

(پ ۱۰۔ سورہ انفال ع ۶)

"اے ایمان والو! جب تم میدان جنگ میں فوج سے لڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب رہو"

یعنی تمہاری فلاح و کامیابی کا سب سے بڑا راز ہی اللہ تعالےٰ کی یاد میں مضمر ہے اور جس کثرت سے تم اس کو یاد کروگے تم پر رحمت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی کرتے وقت بکثرت اللہ تعالےٰ کو یاد کرنا ایک محبوب عمل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کرامؓ لڑائی کے موقع پر آواز بلند کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ:-

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکرہ الصّوت عند القتال (مستدرک ج ۱ ص ۱۱۶)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ لڑائی کے وقت بکثرت اللہ تعالےٰ کا ذکر ہو مگر آہستہ۔ اور قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں ذکر کی فضیلت آئی ہے اور ذکر کرنے والوں کو بشارت اور مژدہ سنایا گیا ہے اور عقلمندوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے:-

الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا علیٰ جنوبھم (الآیہ) پ ۴۔ سورہ آل عمران رکوع ۲۰)

"کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پہ لیٹے"

یعنی کسی حالت میں وہ یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے اور ان کی زبان ہر وقت ذکر اور یاد الٰہی سے سرگرم عمل رہتی ہے۔ احادیث میں ذکر اللہ کی ایسی تاکید اور اتنی فضیلت آئی ہے کہ اس کے بیان کے لیے عمر نوحؑ اور دفتر کے دفتر درکار ہیں۔

محدثین کرامؒ نے جو ذکر پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اُن کا تو قصہ ہی چھوڑیے صحاح ستہ ہی میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کے لیے سفینوں کے سفینے درکار ہیں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مثل الذی یذکر اللہ والذی لا یذکرہ مثل الحی والمیت۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ صـ ۱۹۶)

"جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی ہے"۔

ایک حدیث میں یوں آتا ہے:-

ای العباد افضل وارفع درجۃً یوم القیامۃ قال الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ الحدیث (مشکوٰۃ ج ۱ صـ ۱۹۸)

"کون سے بندے فضیلت والے اور بلند درجے والے ہوں گے قیامت کے دن۔ فرمایا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں"۔

غرضیکہ بکثرت روایات ذکر اور یاد الٰہی کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ مگر اُسی طریقہ سے جس کی شریعت حقہ نے راہنمائی کی ہو۔ شریعت میں جس موقع پہ جہر کرنے کا حکم ہے (مثلاً عرفہ کی فجر سے لے کر آخر ایام تشریق تک اور حج کے ایام میں تلبیہ وغیرہ) تو وہاں جہر کرنا سنت ہے۔ جہاں جہر کا حکم نہیں وہاں آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی صورت میں شریعت کی مراد پوری ہوگی۔ قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور امت کے فقہاء و مجتہدین اور اکابرین علماء کا متفقہ فیصلہ یہ ثابت ہے کہ ذکر آہستہ، عاجزی اور انکساری کے ساتھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین۔ (اعراف پ ۹ رکوع ۲۴)

"اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا۔ اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح و شام اور نہ ہو غافلوں میں سے"۔

اس آیت کریمہ سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہوا کہ ذکر دل میں کرنا چاہیے اور جہر کے ساتھ ذکر کو رب العزت نے پسند نہیں فرمایا۔ اِلّا یہ کہ خود شریعت سے کسی خاص موقع پر جہر ثابت ہو۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:-

معنی قولہ واذکر ربک فی نفسک اذکر خفیۃً وسرًا۔ ومعنی قولہ دون الجھر دون الجھر المفرط۔ (بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ج ۱ صـ ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد واذکر ربک فی نفسک کا معنی یہ ہے کہ ذکر کر ڈرتے ہوئے اور آہستہ۔ اور دون الجھر کا معنی یہ ہے کہ کم جہری آواز سے چلا کر نہ ہو۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک موقعہ پر بلند آواز سے ذکر کیا تو آپؐ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا:-

ایھا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم (بخاری ج ۲ صـ ۶۰۲، مسلم ج ۲ صـ ۳۴۶ واللفظ لہ)

یہ حدیث بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ذکر بالجہر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ جہراً ذکر کرنے کو منع فرما دیا۔ اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ شارح مسلم شریف لکھتے ہیں:-

ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع حاجۃ الی رفعہ (مسلم شریف ج ۲ صـ ۳۴۶)

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ جب کہ کوئی عذر جہراً ذکر کرنے کا پیش نہ آئے۔

اور حنفیت کے ترجمان حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:-

واستدل البیھقی وغیرہ لطلب الاسرار بخبر

الصحیحین انہ علیہ السلام امرھم بترک ما کانوا علیہ من رفع الصوت بالتھلیل والتکبیر۔ وقال انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انہ معکم سمیع قریب۔ (مرقات ج ۲ صفحہ ۳۵۷ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

"یعنی امام بیہقیؒ وغیرہ علماء نے صحیحین کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آہستہ پڑھنا مطلوب ہے کیونکہ صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے کو ترک کرنے کا حکم فرمایا۔ جس طریقے سے وہ بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پڑھ رہے تھے۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس خدا کو نہیں پکارتے جو بہرا ہو یا غائب ہو بلکہ وہ تمہارے ساتھ ہے اور سنتا ہے اور نزدیک ہے۔"

پھر خود علامہ قاریؒ نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے :۔

ولیس الاسرار فی سائر الاذکار ایضا الا فی التلبیۃ والقنوت للامام الخ (مرقات ج ۲ صفحہ [illegible])

"کہ نماز کے بعد دعاؤں اور تسبیحوں میں ہی نہیں تمام اذکار میں اسرار و اخفاء سنت ہے۔ البتہ حضورؐ کے قول و فعل سے جن مواقع میں جہر کا ثبوت ملتا ہے وہ مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً تلبیہ وغیرہ حج کے موقع پر اور قنوت نازلہ وغیرہ۔"

الغرض دلائل پر نگاہ ڈالنے سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ذکر اور دعا آہستہ طریقہ سے بہتر ہے۔ یہی مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں اور امام نوویؒ شرح مسلم میں، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں نقل کرتے ہیں :۔

وقال ابن بطالؒ المذاھب الاربعۃ علی عدم استحبابہ ای الذکر الجھری۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۷۰ مشکوٰۃ فی ھامش بخاری ج ۱ صفحہ ۱۱۶)

"یعنی ابن بطال فرماتے ہیں کہ چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں ہے۔"

اور قاضی ثناء اللہ صاحب حنفیؒ پانی پتی لکھتے ہیں کہ

ثم اجمع العلماء علی ان الذکر سرا ھو الافضل والجھر بالذکر بدعۃ۔ الا فی مواضع مخصوصۃ مست الحاجۃ فیھا الی الجھر بہ۔ کالاذان، والاقامۃ وتکبیرات التشریق وتکبیرات الانتقالات فی الصلوٰۃ للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب نائبۃ والتلبیۃ فی الحج ونحو ذالک (تفسیر مظہری ج ۳ صفحہ [illegible])

"تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔ مگر ان مقامات پر جہاں جہر کی (شرعی) ضرورت پیش آئے۔ مثلاً اذان اور اقامت اور ایام تشریق (یعنی بڑی عید کے دنوں میں) تکبیریں۔ اور امام کے لیے نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کی طرف آنے جانے کی تکبیریں یا حج کے موقع پر لبیک کو بلند آواز سے پڑھنا وغیرہ۔"

نیز حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :۔

والمختار ان الامام والمأموم یخفیان الذکر الا ان احتیج الی التعلیم (فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۵۶)

"یعنی پسندیدہ بات صرف یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں۔ ہاں مگر جب تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو الگ بات ہے۔"

علامہ ابراہیم حلبی حنفیؒ کبیری منیۃ المصلی میں امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ اَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ بِدْعَۃٌ وَمُخَالِفٌ لِلْاَمْرِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی: اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ اِلَّا مَا خُصَّ بِالْاِجْمَاعِ۔ (کبیری صفحہ ۵۶۶)

"حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے سے پکارو۔ بلاشبہ وہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں وہ ذکر جس کا جہر اجماع سے ثابت ہو چکا ہو۔"

اس عبارت سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے

(باقی آئندہ)

رازدارِ رسولؐ

حضرت حذیفہ رضؓ

عبدالرحمٰن لودھیانوی

حضورِ اقدسؐ ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ کا اعزاز و اکرام کرنا۔ ان کے حق کو پہچاننا۔ ان کا اتباع کرنا۔ ان کی تعریف کرنا۔ ان کے لیے استغفار کرنا اور ان کے آپس کے اختلافات میں لب کشائی نہ کرنا۔ ان حضرات کو برائی سے ہرگز یاد نہ کرے بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کرے۔

(شفاء قاضی عیاضؒ)

اسی سلسلہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختصر حال درج ذیل ہے۔

حذیفہ ابن یمان، ان کا نام حسیل ہے اور یمان ان کا لقب ہے اور ان کی کنیت حذیفہ ابو عبداللہ عبسی ہے۔ آپ رسول اللہؐ کے بھیدی ہیں۔ حضرت عمر ابن خطاب اور علیؓ ابن ابی طالب اور ابو درداؓ وغیرہ صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قتل کے چالیس روز بعد ۳۵ھ یا ۳۶ھ بمقام مدائن وفات پائی اور وہاں ہی ان کی قبر ہے۔ (اسماء الرجال مشکوٰۃ شریف)

حضرت حذیفہؓ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ان کا لقب صاحب سِر ہے حضور اقدسؐ نے ان کو منافقین اور فتنوں کا علم بتلایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ نے ان کو قیامت تک کے آنے والے فتنوں کو نمبروار بتلایا تھا کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں حضورؐ نے نہیں چھوڑا بلکہ اُس فتنہ کا حال اور اس کے مقتدا کا حال مع۔ اس کے نام اور ماں باپ کے نام اور قبیلہ کا نام صاف صاف بتا دیا تھا تاکہ اس سے پرہیز کی جائے۔

حضرت عمرؓ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے اور کہا کہ میں نام نہیں بتاؤں گا حضرت عمرؓ نے اس کو معزول کر دیا۔ غالباً اپنی فراست سے سمجھ لیا ہوگا جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمرؓ تحقیق فرماتے کہ حذیفہؓ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے یا نہیں۔ اگر حذیفہؓ شریک ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی نماز پڑھتے۔

حضرت حذیفہؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا، فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پہ نہیں رو رہا ہوں بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے البتہ اس بات پہ رو رہا ہوں کہ مجھے اس بات کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پہ جا رہا ہوں یا خوشنودی پہ اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے یا اللہ! مجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے اپنی ملاقات میں برکت فرما۔ (ابوداؤد و اسد الغابہ بخاری)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حضورؐ سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں برائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا تاکہ ان سے پرہیز کی جاسکے۔

ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ خیر و خوبی جس پہ آجکل آپؐ کی برکت سے ہم لوگ ہیں اس کے بعد بھی کوئی بُرائی آنے والی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ حذیفہ اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پہ غور کر اور اس کے احکام کی اتباع کر۔ مجھے فکر سوار تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں پھر بھلائی ہوگی لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے جیسے پہلے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانے کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا اگر مسلمانوں کی کوئی متحدہ جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو، تو اس کے ساتھ ہو جانا ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ رہنا اور مرتے دم تک وہاں ہی بیٹھے رہنا۔

حضرت حذیفہؓ کی مہم

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ایک طرف تو مکہ کے کفار اور ان کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لئے تیار تھے۔ اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ میں بنو قریظہ کے یہود ہماری دشمنی پہ تلے ہوئے تھے جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر ہمارے اہل و عیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ میں لڑائی کے سلسلہ میں باہر پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جارہی تھی۔ اور حضور اقدسؐ اجازت مانگنے والوں کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ اسی دوران میں ایک وقت آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ پاس والا

آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہ آتا تھا اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بادل کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے ہم تین سو کا مجمع اسی جگہ تھا حضورؐ ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے تھے۔ اور اس اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرما رہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس سے حضورؐ کا گذر ہوا۔ میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی۔ اور وہ بھی میری نہیں، بیوی کی تھی۔ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین سے چپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حذیفہ، مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چپٹ گیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے میں جا کر ان کی خبر لا کر کیا ہو رہا ہے۔ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ حال تھا مگر تعمیل ارشاد میں اٹھ کر فوراً چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضورؐ نے دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَمِنْ يَمِيْنِهٖ وَمِنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ (یا اللہ! آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے)۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل جاتی رہی۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کوئی حرکت کر کے نہ آنا، چپ چاپ دیکھ کر آ جاؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں۔ ہر طرف سے آواز آ رہی تھی کہ واپس چلو۔ ہوا کی تیزی کی وجہ چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ ہلاک ہو رہے تھے۔ میں وہاں سے واپس آیا جب آدھے راستہ پر آیا۔ تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ملے انہوں نے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا۔ بیان کیا۔ آپؐ یہ سن کر بہت خوش ہوئے حضورؐ نے مجھے اپنے پاؤں کے قریب بٹھا لیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے اپنے سینہ کو حضورؐ کے تلووں سے چپٹا لیا۔ (حکایات صحابہؓ)

بقیہ: خوفِ خدا

پارہ ۱۷ ع ۲ ملائکہ مقربین کے حق میں ارشاد فرمایا۔ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (پارہ ۱۷ ع ۲) ترجمہ: وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ قرآن مجید کے مضامین کا بہت بڑا حصہ ہے جس میں بداعتقاد و بداطوار قوموں کے انجام کو بطور عبرت ذکر کیا گیا ہے یعنی کسی زمانہ و کسی خطہ کے رہنے والے لوگو! اگر تم نے بھی غلط روی کو نہ چھوڑا تو یاد رکھو کہ پہلوں کی طرح تم بھی عذاب خداوندی کی چکی میں پس جاؤ گے۔ جس طرح پہلے معاندین و مجرمین نے اپنے عقائد باطلہ اور اطوار فاسقہ کا خمیازہ دنیا میں بھی بھگتا اور عذاب آخرت کا علیحدہ ہو گا۔ اگر تم نے بھی انہی کی راہ لی تو یاد رکھو حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جاؤ گے۔ قیام قیامت بھی اس لئے ہے کہ لوگ خدائے ذوالجلال کے روبرو حساب کتاب دینے کے ڈر سے اپنا معاملہ درست رکھیں۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوشاں رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خوف خدا دل میں جگہ پکڑ جائے تو تمام اجزا اور ان سے صادر ہونے والے افعال صحیح راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور گناہ تب ہی صادر ہوتے ہیں جب خوف خدا کی گرفت قلب پر ڈھیلی ہو جائے۔ زنا کرنے والا کب زنا کر سکتا ہے؟ جب وہ یقین رکھتا ہو کہ اور کوئی دیکھے یا نہ دیکھے خدائے بصیر کی نگاہ کے سامنے تو پردہ نہیں۔ رشوت لینے والا کب رشوت لے سکتا ہے؟ جب وہ سمجھے کہ جس مالک نے اسے حرام کیا ہے وہ پاس موجود ہے۔ چور چوری کرتے ہوئے پانچ سال کے بچے سے ڈرتا ہے۔ لیکن خدائے قہار کا خوف اس کے دل سے نکل چکا ہوتا ہے ورنہ چوری کیسے کر سکتا ہے۔ خوف خدا سے جب کوئی قوم خالی ہو جائے تو اس کی تباہی قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اپنا خوف نصیب فرمائے۔

جب خدا کے خوف سے آزاد ہو جاتی ہے
اپنے ہاتھوں آپ ہی برباد ہو جاتی ہے قوم

مضمون نگار حضرات

نوٹ فرما لیں

- مضمون خوشخط کاغذ کے ایک طرف اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون میں آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور دوسرے منقول مندرجات کا حوالہ ضرور دیں۔
- اخبار و رسائل میں شائع شدہ پرانے اور غیر اہم مضامین بھیجنے سے احتراز فرمائیں۔
- اپنا نام اور پتہ مکمل لکھیں۔
- جو مضمون ان شرائط کے خلاف لکھا جائے گا وہ ناقابل اشاعت ہو گا۔
- ناقابل اشاعت مضمون تین ماہ کے اندر اندر ڈاک ٹکٹ بھیج کر واپس منگوا سکتے ہیں۔

نوٹ:- ۲۷ دسمبر ۱۹۷۴ء کا شمارہ نہیں چھپ سکا۔

تحریر: انور سرحدی

مساوات کا صحیح مفہوم

★ خدائی مساوات ★ محمدی مساوات ★ اسلامی مساوات

مساوات دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تعدادی، دوسری صلاحیتی۔ تعدادی کی حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام تمام ضروریات تمام امدادیں تعداد کے مطابق سب کو برابر عطا کی جائیں۔ خواہ ان میں چھوٹے بڑے بیمار، تندرست، جاہل عالم، ذہین، غبی، محنت کش، آرام طلب کیسے ہی ہوں سب کو ہر کام پر انعام اور تمام احکام میں برابر کا شریک قرار دیا جائے۔

صلاحیتی مساوات کا مفہوم یہ ہے کہ جس میں جتنی صلاحیت ہو اس کے موافق کام، انعام، احکام اور امدادیں ہوں، جس میں جتنی زیادہ صلاحیت ہو وہ زیادہ کا حقدار ہو، اور جس میں صلاحیت کم ہو اس کے ساتھ صلاحیت کے مطابق سلوک کیا جائے۔ الغرض ہر ایک کے ساتھ صلاحیت کے برابر معاملہ ہو تعداد کے برابر نہیں! جاہل بچہ کو وزیر اعظم کے برابر نہ رکھا جائے۔

کسی احمق سے احمق کے نزدیک بھی مساوات کا یہ مفہوم نہیں ہو سکتا کہ بچہ، جوان، بوڑھا، مرد، عورت، تندرست، بیمار، کمزور، پہلوان، جاہل عالم، واقف، ناواقف، عقل والا، مجنون، فطری صلاحیتوں کے عاری۔ صلاحیتوں سے بھرپور اپنی صلاحیتوں سے خوب خوب کام لینے والا، صلاحیتوں کو بیکار و مفلوج رکھنے والا، سست، چست، ہوشیار، مدہوش علوم و تجربات کا ماہر ان میں صفر جج اور چپراسی، وزیر و مزدور سب کے سب ایک دوسرے کے مساوی ہیں، برابر کی تنخواہیں، برابر کی ضروریات، برابر کی بود و باش، برابر کے ساز و سامان والے ہوں۔ سب کے لئے ایک سے احکام ہوں، شیر خوار کو آدھ سیر غذا، جوان کو دو تولہ دودھ، بیمار کو پاؤ سیر کباب، تندرست کو صرف گلوکوز، دہقان جاہل کو کمشنری، قابل فاضل کو گھاس کھودنا، مزدور کو انجینئری، ناواقف مریض کو ڈاکٹری، انسان کو گھاس پھونس، جانوروں کو مٹھائیاں وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ مضر اور اضاعت کے سوا کچھ نہیں بلکہ ملک و قوم کی بربادی و تباہی کے مترادف ہے فطری تقاضا ہے کہ گندم انسان کو اور بھوسہ گائے بیل بھینس کو پتے بکریوں کو اور پھل آدمی کو، چھلکے بے کار ہیں اور مضر غذائے انسانی ہے بہت سے جانوروں کو صرف مٹی، اور نباتات کو مٹی و پانی، بعض جانوروں کو دوسرے جانور

بعض کو ردی چیزیں ملتی ہیں اور عمدہ عمدہ جو ہر سب کے سب انسان کے لئے ہیں۔ ہر چیز جمادات، نباتات، حیوانات انسان کی ضرورتوں میں مصروف! مگر انسان ان میں سے کسی کی ضرورت میں لگایا ہوا نہیں۔ ان میں سے کوئی نوع دنیا سے غائب ہو جائے تو انسان کی کسی نہ کسی ضرورت یا آسائش میں خلل آجائیگا اور تمام انسان دنیا سے غائب ہو جائیں تو جمادات، نباتات، حیوانات میں کسی کا کوئی نقصان نہیں۔ انسان کی پیدائش سے پہلے بھی یہ سب موجود تھے۔ انسان نہ تھا مگر کسی کی کوئی ضرورت رکی ہوئی نہ تھی۔ یہ عددی مساوات تو نہیں ہے مگر صلاحیتی مساوات ہے۔ جو فطری اور اسلامی طریقہ ہے۔

انسان کے علاوہ دنیا کی موجودات کی ہر نوع کے لئے الگ الگ قسم کی غذائیں اور افعال ہیں۔ انسان ان سے اعلیٰ قسم کی غذاؤں اور کاموں میں منہمک ہے اور یہ سب کچھ اس فطری تفریق کی وجہ سے ہے۔ یہ تعدادی مساوات جو غذا، کام، لباس، بود و باش، مکان میں بتائی جا رہی ہے۔ فطرت کے خلاف ہے اور روز اول سے لے کر آج تک تعدادی مساوات کے خلاف طریقے پر گامزن بھی اور تا قیامت اس میں مبتلا رہیں گے۔ مگر صلاحیتی مساوات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگی یہی عقل فطری، اسلامی، خدائی اور محمدی مساوات ہے۔

ہر مذہب نے کمسنوں اور نابالغوں سے عبادات کو معاف رکھا ہے۔ مریضوں اور تندرستوں میں فرق مرد و عورت میں خلقی تفریق برقرار ہے۔ ہر ایک کے کام معاملات عبادات کے طور و طریق الگ الگ ہیں ہر بات میں عددی مساوات مساوات کہہ کر برابری کا مفہوم تو نہ کسی عقل کے نزدیک درست ہو سکتا ہے اور نہ فطرت و خلقت کے موافق ہے اور اسی کو خدا اور رسولؐ کی طرف منسوب کرنا تو ایک تہمت بے گناہ ہے سخت جرم ہے۔ ہاں فطری و خلقی مساوات، خدائی اور اسلامی مساوات ان سب کی صلاحیتوں کے موافق تمام ضروریات و احکام میں ہوتی ہے صحیح اور عقلی اسلامی و محمدی مساوات وہی ہے جو ہر ایک فرد کی صلاحیتوں اور ان صلاحیتوں کے بروئے کار لانے کے موافق ہو سکتی ہے۔ ہر چیز صلاحیت کے مساوی ہونی ضروری ہے۔ یہی فطری، عقلی اسلامی محمدی اور خدائی مساوات ہے۔

انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت جس جوہر سے حاصل ہے وہ عقل و علم کی صلاحیتیں ہیں اور ان کو کام میں لگانا، اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کے اہل بنانا ہے، دیوانے اور عقل والے ہیں اور کم و بیش عقل و علم والے ہیں جیسے فطری و عقلی، اخلاقی و مذہبی تفاوت ہے اسی طرح علم و عقل کی صلاحیتوں اور ان کے کام میں کم و بیش لگنے اور کم زیادہ تجربات رکھنے سے بھی تفاوت ناگزیر ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نزلوا الناس علی قدر منازلھم (لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھو) نہایت اعلیٰ قسم کا فطری عقلی، دینی و دنیاوی اصول ہے۔ اور ہر ہر فن و ہر کام میں فلاح و بہبود کا قاعدہ ہے، جس سے ذرا انحراف کرنا اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالنا ہے۔ یہی ہے صلاحیتی مساوات، اسلامی اور محمدی مساوات بھی اسی کا نام ہے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان انسان سب برابر ہیں۔ مگر برابری کس چیز میں ہے صرف انسان ہونے میں برابری۔ شیر خوار، بڑا فاضل تابعی، دیوانہ، اور زبردست عاقل کون کہہ سکتا ہے کہ سوائے انسان انسان ہونے کے اور ہر چیز میں بھی برابر ہیں۔ کیا ایک کمشنر کی جگہ پر جاہل گھاس کھودنے والا کام دے سکتا ہے؟ کیا بڑے انجینئر، بڑے بیرسٹر، بڑے تاجر کی جگہ ایک ناواقف مٹی ڈھونڈنے والا کام آسکتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ مساوات مساوات تعداد کے اعتبار سے ہے یا نتائج کو صلاحیتوں اور کارپردازی کے برابر کرنے میں مساوات ہے۔ بے شک مساوات اچھی چیز ہے فطری عقلی اسلامی محمدی اور خدائی مساوات ہے۔ مگر تعداد کے برابر کرنے کو مساوات نہیں کہا جا سکتا۔ اس کو کوئی عقل گوارا نہیں کر سکتی۔ ان نتائج کو صلاحیتوں اور کارپردازیوں کے برابر کرنا فطری، عقلی اسلامی محمدی اور خدائی مساوات ہے۔ اسی مساوات کی علمبرداری ہر ذی ہوش کا کام ہے، چنانچہ مٹی ڈھونے والے مزدور ڈاکٹر، انجینئر، جج، کمشنر اور وزیر یا وزیراعظم نہیں بنایا جاتا ورنہ عددی مساوات میں یہی لازم ہوگا کہ بیک وقت نہیں تو نمبر بہ نمبر تو ہر فرد کو یہ عہدے دیئے جائیں۔ خواہ وہ کتنا ہی جاہل ہو۔

مخلوقات عالم میں اعراض و جواہر، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان وغیرہ سب ہی ہیں مگر کیا ہر عرض عرض اور ہر جوہر جوہر، ہر جامد جامد اور نباتات میں گھاس اور پھلدار درخت، یہ حیوان جو اپنی اپنی نوع کے اعتبار سے ایک ہی نوع میں اس نوع ہونے میں برابر ہیں۔ کیا فطرت و عقل اور اسلام سب کو تعدادی مساوات دے کر برابر قرار دے رہا ہے۔ کیا شیروں کو گھاس اور بکریوں کو گوشت دینا مساوات ہے۔ کیا نباتات میں ہر ایک کو یکساں پانی و مٹی فراہم کرنے میں مساوات ہے۔ کیا چاول کے کھیت اور کیلوں کے باغ کو اسی قدر پانی دینا جس قدر شیشم کو ملتا ہے مساوات ہے اسی طرح تمام موجودات کی انواع اور افراد کو دیکھ لیا جائے سوائے صلاحیتی مساوات کے کہیں مساوات کا پتہ نشان نہ ملے گا۔ امید ہے کہ سب لوگ ذرا غور سے کام لیں گے، خدا ہر ایک کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ ؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

بقیہ : جنید بغدادیؒ

دیتے تھے۔

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس آئی اور عرض کرنے لگی کہ یا حضرت! میرا بیٹا کھو گیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا جا صبر کر۔ وہ چلی گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر آئی اور کہا کہ یا حضرت! دعا فرمائیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ عورت پھر چلی گئی۔ تیسری مرتبہ پھر وہ عورت آئی اور فرمایا اب مجھ میں صبر کی طاقت نہیں ہے دعا کریں کہ میرا بیٹا مل جائے آپ نے فرمایا اگر یہی بات ہے تو جا تیرا بیٹا آ گیا۔ وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آئی اور حضرت کا شکریہ ادا کرنے لگی کہ میرا بیٹا مجھے مل گیا ہے۔

یہ دیکھ کر لوگ حیران ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کو ان کے بیٹے کی آمد کی خبر کس طرح ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن پاک میں نہیں پڑھا۔ جب اس عورت میں ضبط کی طاقت نہ رہی تو کیا وجہ تھی کہ خدا اس کی نہ سنتا اور دعا قبول نہ کرتا۔

آپ کی ایسی ہی کرامات بے انتہا ہیں۔

الغرض ایسے ایسے عارفانہ اقوال اور حکیمانہ افعال سے ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کو مستفید و مستفیض کر کے یہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ ۲۹۸ھ کے ایک جمعہ کو تیسرے پہر قرآن شریف کی تلاوت کرتے کرتے اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

ٹیلیفون نمبر ۹۶۵۳۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۳۶

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۲۱ ... T.B.C ... (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ... (۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۷ D.D.4 ... (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبر G.M ...

خدام الدین — آئندہ شمارہ

کا حسین رضؓ نمبر ہوگا

خدام الدین اپنی آئندہ اشاعت میں پارۂ قلب رسولؐ، جگر گوشۂ بتولؓ، نگاہِ مومن کے نور، محبوب حیدر کرارؓ، صاحب قلب سلیم، ظلمت کدۂ کربلا میں نور وحدت کے پاسبان، الحافظ جامع القرآن، صاحب الحیاء والایمان امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان ذوالنورینؓ، نبیرۂ خاتم الانبیاءؐ، شہید کربلا سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادتِ عظمیٰ اور سیرتِ کبریٰ پر ایک عظیم الشان نمبر شائع کر رہا ہے۔

جس میں

مولانا ابوالکلام آزاد ○ مولانا مناظر احسن گیلانی ○ نواب بہادر یار جنگ

ڈاکٹر ذاکر حسین

کے نایاب مضامین کے علاوہ عہد حاضر کے ممتاز اہل قلم کے مضامین بھی شامل ہوں گے

قیمت : ایک روپیہ پچیس پیسے

ایجنٹ حضرات حسین نمبر کی مطلوبہ تعداد سے فوراً آگاہ کریں

... پرنٹر خواجہ طارق لطیف